

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

چند مہینوں سے اس رسالہ کے بیشتر صفحات، اور مرتب رسالہ کے تمام تراویقات کو بعض اہم شرعی مسائل نے گھیر لیا ہے، جس کی وجہ سے ان استفسارات کی مدد تو جہ کرنے کا موقع نہیں ملا جو وقتاً فوقتاً باہر سے آتے رہے ہیں۔ خود مفسرین کو بھی اس کا احساس ہے کہ جن مسائل پر اس وقت بحث ہو رہی ہے وہ زیادہ اہم ہیں۔ اسی لیے انہوں نے عدم توجہ کی شکایت نہیں کی۔ مگر اس مشغولیت کا سلسلہ نہ معلوم کب تک جاری رہے، لہذا تفصیلی تحقیق کا خیال چھوڑ کر اشارات میں ان شکوک کو رفع کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

سورہ نمل کے دوسرے اور تیسرے رکوع میں ملکہ سبا اور حضرت سلیمانؑ کا ذکر آیا ہے۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کو جب ”حد حد“ کے ذریعہ سے قوم سبا کے شرک اور ان کی آفتاب پرستی کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اس قوم کی ملکہ کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ ملکہ نے اس باب میں اپنے امرا و اعیان سلطنت سے مشورہ لیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم بھی زور بازو رکھتے ہیں۔ جنگ کیے بغیر اطاعت نہ کریں گے۔ مگر ملکہ نے جنگ کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور اس کے بڑے نتائج سے آگاہ کر کے مصالحانہ روش اختیار کرنے کی رائے دی۔ چنانچہ سب کے اتفاق سے ایک بیش قیمت حد یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حد

میں بھیجا گیا۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے ہدیے کی ضرورت نہیں، میں تمہارے اسلام یا اطاعت کا طالب ہوں۔ غرض جنگ کا اعلان ہو گیا۔ اس اعلان کے بعد آنحضرتؐ اپنے اعیان دولت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اس ملکہ کا تخت میرے پاس اٹھا لائے۔ ایک جن نے عرض کیا کہ میں دربار کے بزحاست ہونے سے پہلے اُس کو لے آؤں گا۔ ایک دوسرے شخص نے جو ”کتاب کا علم رکھتا تھا“ کہا کہ میں شہم زدوں میں اس کو حاضر کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے فی الواقع پلک جھپکاتے تخت لا حاضر کیا۔ اس موقع پر حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ موضع القرآن میں لکھتے ہیں:-

”کافر جو اپنے ایمان میں نہیں اس کا مال زبردستی حلال ہے جب وہ مسلمان ہوا پھر حلال نہیں۔“

پھر جب حضرت سلیمان نے ملکہ کو اپنے سامنے حاضر پایا تو بے اختیار بول اٹھے کہ میرے رب کا فضل ہے۔ وہ مجھ کو آزماتا ہے کہ میں شاکر بندوں کی طرح اس کی نعمتوں کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرتا ہوں، یا کافروں کی طرح کفران نعمت کرتا ہوں۔ یہاں حضرت مرحوم نے پھر شرح فرماتے ہوئے لکھا ہے:-

”یعنی ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس جہ کو پہنچے جن سے کرامت ہونے لگی..... اور اس کے پاس ایک علم تھا کہ کتاب کا یعنی اللہ کے اسما، اور کلام کی تاثیر کا وہ شخص آصف تھا ان کا وزیر“

آیات مذکورہ بالا اور ان کے متعلق حضرت شاہ صاحب کے حواشی پر ایک عزیز نے حسب ذیل ثبوت ظاہر کیے ہیں۔

(۱) ایک جلیل القدر پیغمبر کسی دوسرے کی بلکہ پر بلا ضرورت کیوں تصرف کرنے لگے اگر ملکہ سبا کو کسی معجزہ سے مرعوب ہی کرنا تھا (حالانکہ یہ بات کسی پیغمبر کے بس کی نہیں) تو کسی اور طریقہ سے مرعوب کرتے جو جائز اور حلال ہوتا نہ کہ اس طرح سے۔ فرض کیا کہ کافر کا مال مباح ہے۔ مگر پیغمبر کا تقویٰ اس سے بالاتر ہے کہ وہ مباحات کے ادنیٰ مراتب سے استفادہ کرے۔

(۲) اسم اعظم وغیرہ کا تخیل نہ صرف غیر شرعی بلکہ جاہلانہ تخیل ہے۔ پھر پیغمبر یا ان کے مصاحبوں کا ایسا فعل کیونکر لائق تحسین ہو سکتا ہے۔

(۳) ملکہ سبا کا تخت اٹھا مگنا حضرت سلیمان کا معجزہ نہیں ہوا بلکہ ان کے ایک مصاحب کی کرامت ہوئی جو پیغمبر شیاطین اور اجنہ تک کو مسخر کر سکتا ہے وہ کیا آن کی آن میں اپنی قوت اعجاز سے تخت نہیں لاسکتا۔

(۴) توریت اور تاملود میں جہاں انبیاء بنی اسرائیل کے مفصل سوانح حیات مذکور ہیں کوئی تذکرہ اس قسم کا نہیں پایا جاتا۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ اسلام نہ تو حکومت خود اختیاری (سلف گورنمنٹ) کا قائل ہے، اور نہ جہانگیری (امپیریلزم) کا، بلکہ اس کا نظریہ سلطنت تمام دنیا کے نظریات سے مختلف ہے، اور جذبات و خواہشات نفس کے بجائے خالص عقلی اصول پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اس نظریہ کا لب لباب یہ ہے کہ زمین کی حکومت صرف صالحین کا حق ہے، اور

مرد صالح وہ ہے جس کے پاس خدا کا نبشا ہوا علم، اور خدا کی دی ہوئی طاقت ہو۔ جو اس علم اور طاقت کو خدا کے قانون کی صحیح پیروی میں استعمال کرتا ہو جس کے پیش نظر اپنے نفس

یا اپنی قوم کا مفاد نہیں بلکہ کل نوع انسانی کا اخلاقی، روحانی اور مادی فائدہ ہو۔ ایسا شخص کسی ایک قوم کی میراث نہیں بلکہ تمام نوع کی مشترک میراث ہے، اور اسی کو یہ حق پہنچتا ہے، اور اسی پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ تمام دنیا میں خدا کے قانون کی حکومت قائم کرے، اور خدا کے بندوں کو ظالموں کی حکومت اور ظالمانہ قوانین کی جکڑ بندی سے نجات دلائے۔ اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کے پاس نہ الہی ہدایت ہے، نہ الہی قانون ہے، نہ ایسی طہارت نفس ہے کہ خود غرضی اور تکبر سے بالاتر ہو کر خالص مفاد عام کی خدمت کے لیے حکومت کریں، گنہگار اس کا حق نہیں رکھتے کہ حکومت و سلطنت کی باگیں ان کے ہاتھوں میں رہیں۔ وہ خواہ اپنی قوم پر حاکم ہوں یا غیر قوموں پر بہر حال وہ ظالم ہیں، اور صلح کو حق پہنچتا ہے کہ اگر طاقت اس کے ہاتھ میں ہو تو ان سے حکومت چھین لے۔ ایسے لوگوں کو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جائے گی۔ اگر انہوں نے مان لیا اور قانون الہی کے نتیجہ بن گئے تو وہ بھی صالحین کے گروہ میں آجائیں گے اور حسب صلاحیت ان کو حکومت میں حصہ لینے کا حق مل جائے گا۔ اور اگر انہوں نے انکار کیا تو وہ حاکم بن کر نہیں رہ سکتے ان کو طاقت سے مغلوب کر کے ان کی حکومت مٹا دی جائے گی، اور انہیں اسلام کے سیاسی قوانین کا سامنا بن کر رہنا پڑے گا، تاکہ وہ کم از کم خدا کی زمین میں شر و فساد نہ پھیلا سکیں۔ باقی رہا ان کا شر و کفر تو اس کی سزا ان کو خود اللہ تعالیٰ قیامت کے روز دیگا۔ دنیا میں ان کو یہ آزادی حاصل رہے گی کہ جس اعتقاد اور جس مذہب کی چاہیں پیروی کریں۔

اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کے طرز عمل کو ملاحظہ کیجئے۔ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں اللہ نے ان کو علم عطا کیا ہے (وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا) ان کو طاقت

اور عمل صالح کے اعتبار سے نہ صرف کفار پر بلکہ عام مومنین پر بھی برتری عطا فرمائی ہے۔
 بِالْحَمْدِ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلْنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ۔ النمل - ۱۲۔ ان میں وہ تمام
 اوصاف جمع ہیں جن کی بنا پر قانون الہی کے مطابق ایک شخص حکمرانی کا سب سے زیادہ
 حق دار ہوتا ہے۔ (إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ عَلَيْنَا مِثْرًا كَثِيرًا زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔
 البقرہ ۲۲) خود ان کے پدگرمی قدر حضرت داؤد علیہ السلام کو جو کتاب حق تعالیٰ نے
 عطا فرمائی تھی اس میں یہ قاعدہ کلیہ مقرر کر دیا گیا تھا کہ زمین کی حقیقی وراثت صرف صالحین کو
 پہنچتی ہے، یعنی جو صالح نہیں ہیں وہ حکومت کے جائز حق دار نہیں بلکہ غاصب ہیں (وَلَقَدْ
 كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن قَبْلِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ الانبیاء - ۷۰)۔
 اب ان کو خبر ملتی ہے کہ ایک قوم آفتاب کی پرستار، شیطان کی تبع اور راہ راست سے
 ہٹی ہوئی ہے (يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ
 أَعْبَادًا لَهُمْ فَصَدَّ عَنْ سَبِيلِ فَهَرَّ لَا يَهْتَدُونَ۔ النمل - ۲۰)۔ قاعدہ اسلامی
 کے مطابق حضرت سلیمان اس کو دعوت دیتے ہیں کہ یا اسلام قبول کر دیا حکومتِ صالحہ کے
 مطیع ہو جاؤ کیونکہ شیطان فی طریقہ کے پیرو رہتے ہوئے تم کو حکومت کا حق نہیں، عام اس
 کہ تمہاری حکومت خود اختیاری ہو یا جہانگیرانہ (أَلَا تَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
 الْأُمَّمَ وَيُنزِلُهَا وَيُجْعَلُ لِكُلِّ أُمَّةٍ رَّجُلًا يَرْسُدُ بِهَا وَيُرْسِدُهَا لِمَا هُمْ
 عَلَيْهَا أُولَئِكَ يَرْسُدُونَ أَفْئِدَتَهُمْ وَإِلَىٰ يَوْمِئِذٍ يَرْجَعُونَ۔ النمل - ۲۰)۔ اس قوم کی ملکہ اس نامہ گرامی کو دیکھ کر ایمان کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔
 (وَأَوْتَيْنَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ۔ النمل - ۳۰)۔ مگر قومی عصبیت اور
 دینِ آبابی کی محبت اس کو ایمان لانے سے روک دیتی ہے (وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ
 تَعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ۔ النمل - ۳۰)۔ اپنی سلطنت
 کے امر و اعیان سے رائے لیتی ہے وہ لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ملکہ ان کو روکتی ہے۔

اور حضرت سلیمان کو ہدیہ بھیج کر راضی کرنا چاہتی ہے، لیکن حضرت سلیمان اس پیشکش کو رد فرما دیتے ہیں، اس لیے کہ وہ دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ تھے جن کا مقصد و محض مال و دولت ہوتا ہے بلکہ وہ خدا کی طرف سے اس کام پر مامور تھے کہ لوگوں کو دین الہی کا پیرو بنائیں یا کم از کم ان حکومتوں کو جو عصیان و طغیان پر قائم ہوں، مٹا کر الہی قانون کی حکومت قائم کر دیں۔ اس غرض کے لیے وہ اعلان جنگ کر دیتے ہیں اور ایک فوج ملک سبکی طرف بھیجتے ہیں۔ اب ان کی پیغمبرانہ حکمت اس امر کی متقاضی ہوتی ہے کہ ملکہ کے گرفتار ہو کر آسے پہلے اس کا تخت اٹھوا منگائیں۔ اس کی مصلحت یہ تھی کہ اصل مقصد ملک فتح کرنا نہ تھا بلکہ اس ملک اور اس کی قوم کو مسلمان کرنا تھا۔ فوج کی چڑھائی سے ملک کا مسخر ہو جانا تو یعنی تھا، مگر اس امر کا یقین نہ تھا کہ محض افہام و تفہیم سے یہ لوگ اس شرکاً نہ مذہب کو چھوڑ دیں گے جس پر صدیوں سے وہ اور ان کے ابا و اجداد جھے ہوئے تھے اس غرض کے لیے خدائی طاقت کے ایک مظاہرہ کی بھی ضرورت تھی تاکہ وہ اپنے معبود کی بے بسی اور خدائے واحد کی قدرت بے پایاں کا ایک ادنیٰ کرشمہ چشم سردیکھ لیں۔ چنانچہ تخت منگالیا گیا اور جب ملکہ حاضر ہوئی تو اس کے سامنے بالکل انجان بن کر پیش کیا گیا۔ (قَالَ نَكُونُوا لَهَا عِزًّا نَنْظُرُ أَتَهْتَدِي لِمَنِ الْكُفْرُ مِنَ الَّذِينَ لَا يُهْتَدُونَ - النمل - ۳)

ملکہ نے تخت کو دیکھا تو پہچان گئی اور اب وہ ایمان جو حضرت سلیمان کی پہلی دعوت پر محض ایک جھلک دکھا کر غائب ہو گیا تھا اپنی پوری روشنی کے ساتھ اس کے دل میں اتر گیا۔ (وَقَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوَيْدِنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ -

اس تشریح سے یہ شبہ رفع ہو جاتا ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر نے ”دوسرے کی

ملک پر بلا ضرورت "تصرف کیا۔ وہ ملک ہذا کی تھی۔ دوسرا اس پر حق کی راہ سے نہیں ظلم اور غصب کی راہ سے قابض تھا، قانون الہی کے مطابق اس کو بے دخل کر دینے کی ضرورت تھی تاکہ وہ یا تو قانون الہی کا اتباع قبول کرے یا کم از کم دنیوی امور میں حکومت صافحہ کا مطیع ہو جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدا پرستی، اور نفسانی اغراض سے پاکیزگی کا کمال تو دیکھیے۔ مال و دولت کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں کہ میرے خدا نے جو کچھ مجھ کو دیا ہے وہ تمہارے مال سے بہتر ہے۔ مخالفت قوم کی ملکہ کا تخت جب آن کی آن میں اپنے قدموں کے نیچے دیکھتے ہیں تو اپنی طاقت و شوکت کی تعریف میں ایک حرف بھی زبان پر نہیں آتا۔ زبان کھلتی ہے تو اپنے پروردگار کے فضل و احسان کی تعریف میں اور سر جھکتا ہے تو اپنے آقا کے شکر میں۔ جو وقت ایک پادشاہ کے لیے انتہائی فخر و مباحات کا تھا اس وقت یہ عجز و نیاز باہ شکر و سپاس! پھر باکی ملکہ مغلوب ہو کر آتی ہے تو اس کے ملک کا کوئی حصہ نہیں مانگا جاتا اس سے تجارتی اور معاشی امتیازات طلب نہیں کیے جاتے۔ اس پر انتداب (مینڈیٹ) یا حمایت (پروٹیکٹوریٹ) قائم کرنے کی تجویز نہیں کی جاتی اس کے ان ریزرٹڈ نیسی اور ہائی کمرشنری قائم کرنے کا ذکر بھی درمیان میں نہیں آتا۔ پیش کیا جاتا ہے اس کے سامنے کلمہ حق۔ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشان (یعنی خود اس کا تخت) اس کو دکھایا جاتا ہے تاکہ اس کی ہدایت ہو۔ اس معجزہ کو دیکھ کر ادھر اس کی زبان پر یہ کلام جاری ہوتا ہے کہ رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ بِلَہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور ادھر پادشاہ اسلام مطمئن ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ وہ اپنی ذات یا قوم کے لیے کسی چیز کا طالب نہ تھا۔ اس کو تو صرف اس بات کی لگن لگی ہوئی تھی کہ کسی طرح ان کے دین اور دنیا کو خرابی سے بچالے۔ جس فرمانروا کی

یہ نیت ہو جس کا یہ طرز عمل ہو، اگر وہ زمین کی حکومت کا جائز وارث نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے۔

جائز اور حلال کی بحث تو آپ ہی آپ طے ہو گئی پیغمبر کا تقویٰ اُس سے بھی بڑھ کر نکلا جس کا تصور کیا جاسکتا تھا۔ کافر کا مال لوٹنا تو درکنار، اس کا مال اسی کو سونپنا اور اپنے پاس سے سب سے زیادہ قیمتی دولت اس پر اضافہ کی معجزے سے مرعوب کرنے کی حکمت و مصلحت بھی ظاہر ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس معجزانہ قوت کو اللہ کے ویٹے ہوئے علم سے، اللہ ہی کے کام میں، خاص طور پر پاک نیت کے ساتھ استعمال کیا گیا، لہذا اس میں نہ کوئی چیز جاہلانہ ہے، نہ خلاف شرع اور نہ قابل تنکیر۔ اب صرف یہ سوال رہ جاتا ہے کہ حضرت سلیمان کے بجائے اس معجزہ کا صدور ایک دوسرے شخص کے ذریعہ سے کیوں کرایا گیا؟ یہ ظاہر ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو یہی کام خود آنحضرت علیہ السلام سے بھی لے سکتا تھا۔ مگر جب اس نے ان کے بجائے ایک دوسرے شخص کو اس کے لیے انتخاب کیا تو ضرور ہے کہ اس میں بھی کوئی مصلحت ہو۔

میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا، مگر غور کرنے سے جو مصلحت میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں چین کی قوت ناریہ اور انسان کی قوت علمیہ کا فرق ظاہر کرنا مقصود تھا انسان اگرچہ قید جسمانی میں رہ کر اپنی محدود مادی طاقت سے کوئی فوق العادہ کام نہیں کر سکتا، اور اس حیثیت سے جن کا وجود ناریہ اس کے وجود خاکی سے بہت زیادہ قوی ہے، لیکن جب علم کتاب کی قوت انسان کے ساتھ ہو تو وہ تمام طاقت والوں سے بڑھ کر طاقت ور ہو جاتا ہے۔ اس قوت علمیہ کا مظاہرہ اگر پیغمبر کے ذریعہ سے کرایا جاتا، تو اس شبہ کی گنجائش نکل سکتی تھی کہ پیغمبر تو جن و انس میں سب سے افضل ہے ہی۔ اس کی فوقیت اگر ثابت ہو گئی تو اس سے بشر میں ہمیشہ اللہ کا علمی تقویٰ ظاہر نہیں ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک معمولی غیر نبی انسان سے اس علمی طاقت کا مظاہرہ کرا دیا تاکہ حقیقت بالکل

عیاں ہو جائے۔ ادنیٰ شبہ بھی باقی نہ رہے۔

توریت اور تالود میں یہ قصیدوں نہیں ہے، اس کا جواب آپ کے قرآن اور توریت کے تقابل سے خود مل جائیگا توڑت
تاریخی افسانوں کی ایک کتاب بن کر رہ گئی ہے جس میں غیر ضروری تفصیلات بہت ملیں گی مگر بہت ہی
کم کوئی ایسی چیز پائی جائے گی جو اپنے اندر کوئی حکمت، کوئی موعظت، کوئی دینی، اخلاقی، شرعی یا
سیاسی سبق رکھتی ہو۔ بخلاف اس کے قرآن میں تمام غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑ کر انبیاء علیہم السلام کی
سیرتوں کا عطر نکال لیا گیا ہے اور صرف وہ چیزیں پیش کی گئی ہیں جو ہر زمانے اور ہر قوم کے انسانوں
کے لیے اپنے اندر بے حد و حساب ہدایتیں رکھتی ہیں۔ بے کار تاریخی جزئیات توریت میں بہت ہیں
اور قرآن میں کہیں نہیں۔ سبق آموز واقعات تمام تر قرآن میں بیان ہوئے ہیں، توریت میں اکثر
ویشتر تو ملتے ہی نہیں اور اگر ملتے ہیں تو ان کو خشک اور غیر تعلیمی انداز بیان سے اس درجہ مسخ
کر دیا گیا ہے کہ قلب پر ان کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ بات یہیں تک نہیں، اس سے بھی زیادہ
افسوس ناک ہے۔ متعدد پیغمبروں کی زندگیوں کو توریت اور دوسری اسرائیلی روایات میں سطح
پیش کیا گیا ہے کہ ان کو پیغمبر ماننا تو درکنار، کوئی اعلیٰ درجہ کا شریف انسان تسلیم کرنا بھی مشکل ہے۔
یہ فخر صرف قرآن کو حاصل ہے کہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کو ان اسرائیلی نجاستوں سے
پاک کیا ہے، اور از سر نو دنیا میں ان پاک شخصیتوں کی وہ عظمت و حرمت قائم کی ہے جس کے وہ
دراصل مستحق تھے۔ حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت داؤد اور حضرت
سلیمان کے حالات توریت میں پڑھیے، کتنے ہی سیاہ و جھبے آپ کو دہاں نظر آئیں گے۔ قرآن میں
دیکھیے۔ آسمان عز و شرف کے چمکتے ہوئے مہ و انجم دکھائی دین گے۔ خود حضرت سلیمان کو اسرائیلیات
میں نبوت کیا معنی ایمان سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ نوز باشر وہ کا قربت پرست اور جادوگر کی

حیثیت سے پیش کیے گئے ہیں۔ قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو بتایا کہ وہ اعلیٰ درجہ کے مومن اور اللہ کے جلیل القدر پیغمبر تھے۔

بنی اسرائیل کا مذاق اخلاقی و روحانی معاملات میں کچھ اس وجہ سے واقع ہوا تھا کہ انہوں نے نہ صرف اپنی کتابوں میں خود اپنے انبیاء کی سیرتوں کو جھوٹے افسانوں سے داغدار بنایا، بلکہ جب قرآن مجید نے ان کے ملکاتِ فاضلہ و اخلاقِ حسنا اور ان کے بلند پایہ کارناموں کی صحیح تصویر کشی کی تو ان کو یقین نہ آیا کہ انسانی سیرت اتنی پاکیزہ ہو سکتی ہے، بشری اخلاق اتنے بلند بھی ہو سکتے ہیں، آب و گل کے بنے ہوئے آدمی اس قدر پاک نفس عالی حوصلہ و رفیعی فاضل بھی ہو سکتے ہیں! ان کے تصور سے یہ چیزیں بہت بالا و برتر تھیں اسی لیے نزول قرآن کے بعد اسرائیلی مذاق کی کارفرمائی پھر شروع ہو گئی، قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصے بیان ہوئے ہیں ان میں ایک ایک بات صاف لکھی گئی اور ہر ایک کی جان نکال لی گئی۔ قرآن کا انداز بیان یہ ہے کہ وہ قصوں کی غیر ضروری تفصیلات کو چھوڑ کر صرف کام کی باتیں لے لیتا ہے، اس طرح واقعات کے درمیان جو جھلچھوت جاتا ہے اس کو پڑھنے والا خود اپنے تصور یا بیرونی ملامت سے (اگر ہوں تو) بھر سکتا ہے مگر اسرائیلی مذاق رکھنے والوں نے اس افسانوں سے پر کیا اور افسانے بھی ایسے پست اور ذہنی کمزوری کے ساتھ مل کر اصل قصے کی تعلیم ہی باطل ہو گئی بد قسمتی سے قصص قرآن کی تفسیروں میں بھی اسرائیلیات کثرت سے آئے ہو گئے ہیں اور قرآن کا مطالعہ کرنے والوں کو اکثر شبہات انہی کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

اسی قصہ سلیمان و ملکہ سبا کو دیکھ لیجئے قرآن کے صاف اور سادہ بیان میں حضرت سلیمان کی شیر پاک کا اچھا نقشہ کھینچا گیا ہے مگر اسرائیلی مذاق کی کارفرمائی نے اس کی اہم خصوصیات میں سے ایک ایک کو مٹا کر چھوڑا، اور اپنے بلند مقام سے گرا کر ایسی پستی میں پھینک دیا کہ اس میں کوئی تعلیمی روح باقی ہی نہ رہی، بلکہ پڑھنے والا اگر اس قصہ میں اس قصے کو پڑھے تو اس کو تعجب ہوگا کہ قرآن میں اس قصہ کی ضرورت ہی کیا تھی۔

ملکہ سبا کے دربار کو واپس کرنے کی وجہ اور پر بیان ہو چکی ہے مگر اسرائیلی مذاق نے اس کی جو توجیہ کی، جو بھلائی لکھی

نے دو سو غلاموں کو دو سو نوڈیوں کو ایک لباس پہنا کر بھیجا تھا جس میں تین نہ ہوتی تھی کہ غلام کون اور نوڈی کون۔ وہ اس سے حضرت سلیمان کی عقل کا اندازہ کرنا چاہتی تھی حضرت سلیمان کے پاس یہ جماعت پہنچی تو انہوں نے نوڈیوں کو الگ اور غلاموں کو الگ دیا اور کہا کہ ان کو لے جاؤ ایسا ہیہ تمہیں کو مبارک ہے اس توجیہ کے بعد حضرت سلیمان کے جواب پر نظر ڈالیے کیا اب بھی اس میں کوئی جان کوئی بلند اخلاقی روح پائی جاتی ہے؟ تخت اٹھو اگر منگانی کی مصلحت بھی آپ کو اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ اب اس توجیہ کو بھی دیکھیے جو اسرارِ نبیائے کبریٰ کی ہے۔ بدہ نے حضرت سلیمان سے سب کے تخت شاہی کی بڑی تعریف کی تھی یہاں تخت ہونے اور شرفیت جو اہرات کا بنا ہوا ہے۔ کاریگری کا عجیب نہ ہے ایک بے بہا چیز ہے حضرت سلیمان ان تعریفوں کو سن کر بے تاب ہو گئے جب انہیں معلوم ہوا کہ فوج ملکہ سا اور اس کے اعیان سلطنت کو لیے آتی ہے تو انہیں خیال ہوا کہ اگر یہ لوگ سلیمان ہو گئے یا انہوں نے اطاعت قبول کر لی تو پھر یہ چیز ہاتھ نہ آسکے گی لہذا انہوں نے حکم دیا کہ ان کے پہلے تخت یہاں آؤ۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ کہاں وہ پاک نیت اور کہاں بطح و عرص کس مندی سے کس پستی میں اس اقد کو پھینکا گیا ہے۔

تخت کو ملکہ کے سامنے پیش کرنے کا مقصد یہ بتانا تھا کہ توجہ متاع غریزہ کو فغلوں میں بند کر کے بڑے چوکی پھریں ہیں کہ انی تھی وہ یہاں حاضر ہے الہی علم کی طاقت کا ایک ذی کرشمہ ہے اور تیری آنکھوں کے سامنے جو ہے۔ دلائل عقلی کے ساتھ اس دلیل مادی کو محض اس لیے پیش کیا گیا تھا کہ کسی طرح اس عورت کو ہر نصیب سے بچانے اور حضرت سلیمان نے اس فعل کی غرض یہی بتائی جو کہ ننظر اٹھدی امر تکون من الذین لا یفتنون بگر اسی ہوئی بات بھی فساد طلبیات کے ذہن کی سانی سے بالائے ثبات ہوئی انہوں نے تخت کو پیش کرنے کی توجیہ یہ کی کہ حضرت سلیمان اس کی عقل کا امتحان لینا چاہتے تھے اس لیے تخت کی ساخت میں کچھ مہم کوادی اور اس کے سامنے رکھا دیا، دیکھنے کے لیے کہ وہ اس کو پہچانتی ہے یا نہیں! انبیاء کے کاموں کو جب مینا نہ سکا ہوں دیکھا جاتا ہے تو وہ اسی طرح بلند مقاصد اور اعلیٰ درجہ کے مصالح و حکم سے غامی نظر آتے ہیں۔

سب زیادہ رکیبات جو اس سلسلہ میں کہی گئی ہیں وہ پیش عمل میں ملکہ ساکی حاضری سے متعلق ہی قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ حضرت سلیمان نے ملکہ کے سامنے اس کا تخت پیش کرنے کے بعد اسے اپنا پیش عمل دکھایا جس کا فرش بھی شیشے یا پلور کا تھا۔ ملکہ جب اس پہنچی تو شیشے کے فرش کو پانی سمجھ کر اپنے پانچپے اٹھانے لگی۔ حضرت سلیمان نے کہا کہ شیشے کا فرش ہے۔ اب ملکہ کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں اس کے دل نے گواہی دی کہ جس شخص کے پاس اتنی بڑی سلطنت ہے، اتنی دولت ہے، اس قدر اسباب عیش و نعمت ہیں، ایسی غیر معمولی طاقتیں ہیں کہ چشم زدن میں خود میرے تخت ہزاروں میل سے اٹھواٹھکاتا ہے، اور پھر ان سب چیزوں کے باوجود اس کے اخلاق اس کی طرف اشارہ نفس اس کے تقویٰ اور خلوص و فطرت کا یہ حال ہے، وہ یقیناً ایک سچا آدمی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی جائے۔ اسی لیے بے اختیار وہ بول اٹھی کہ رَبِّ اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمَانَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اے میرے پروردگار میں نے اپنے اوپر ظلم کیا کہ اب تک مجھے چھوڑ کر آفتاب کی پرستش کرتی رہی۔ اب میں سلیمان کے ساتھ اس اللہ کی پرستش کرتی ہوں جو سارے جہاں کا رب ہے۔

اب اس اسرائیلی مذاق کی تفسیر دیکھیے جو شیاطین اور جن حضرت سلیمان کے تابع فرمان تھے انہیں خوف ہوا کہ حضرت سلیمان سے کچھ نہ جائیں اس لیے انہوں نے کہا کہ عورت ایک جتنی عورت کے پٹ سے ہی اور اس کے پاؤں انسان کے پے پاؤں نہیں ہیں بلکہ گدے کے گھڑ میں حضرت سلیمان نے اس یا سکی حقیقت معلوم کرنے کے لیے حکم دیا کہ ایک شیشی اٹھاننا یا جانے جس کا فرش بھی شیشے کا ہو اور اس فرش کے نیچے پانی بھر یا جائے مقصد یہ تھا کہ ملکہ جب اس نعل ہوگی تو پانی دیکھ کر اپنے پانچپے اٹھانے لگی اور یوں اسکی پنڈیاں دیکھنے کا موقع مل جائے گا۔ نَعُو بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ یہ ایک نبی کا قصہ ہے یا کسی پرستش و فی الطبع بادشاہ کا ہے۔

یہ چند نونے ہیں جسے اندازہ کیا جاتا ہے کہ اسرائیلی مذاق اور اسرائیلی ذہنیت نے تورات کی تعلیم کو مسخ کرنے کے بعد قرآن کی تعلیمات کو بھی مسخ کرنے اور انبیاء علیہم السلام کی پاک زندگیوں پر اپنے نعل کے سیاہ دھبے ڈالنے میں کئی کئی کوشاں کیے تھے۔ گویا کاشکوکہ اس قرآن اپنی اصلی صورت میں ظاہر کیا جسکی طرف جموع کر کے ہر صفا نظر ان صحیح سچ صحیح عالم حال کرتا ہے اور اگر کوئی شخص قرآن کی موجودگی میں بھی اسرائیلیات کے شغف رکھے اور تورت ناموہی کو قرآن کی تفسیر کا ذریعہ سمجھتا ہے تو یہ اسکی اپنی غلطی ہے